ڈاکٹر محمد طاہر قریشی

اقبال کی ملّی شاعری اور نعت کا امتزاج

(الف) عالم گیر اسلامی ملّت کا داعیِ اعظم:

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اقبال (۱۸۷۷ء۔۱۹۳۸ء) وطنیت سے ملّت کی طرف آئے اور دورۂ یورپ کے بعد ''اقبال محدود قومیت کے تصور سے بلند ہو کر ملّت اسلامیہ کے شاعر بن چکے تھے''۔[۱] ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا بھی یہی کہنا ہے کہ ''اقبال انگلستان گئے تو ان کے مطالعات اور مشاہدہ نے انھیں وطنیت کے سیاسی تصور سے بیزار کر دیا... اب ان کے سامنے ملّت اسلامیہ کا ماضی، حال اور مستقبل تھا''۔[۲] تاہم اس وقت بھی جب وہ عالم گیر اسلامی ملّت کے سب سے بڑے پرچارک تھے۔ وطن کی زمینی حیثیت کے منکر نہیں تھے گویا ابوالحسن علی ندوی کے بقول اقبال وطن دوست تو تھے لیکن وطن پرست نہیں تھے۔[۳] لیکن مغربی تصور قومیت اور وطنیت جس تیزی سے دنیا میں پھیلتا جا رہا تھا اور بدقسمتی سے بہت سے مسلمان بھی اس دامِ ہم رنگِ زمیں میں پھنستے جا رہے تھے اور انھوں نے اپنے منفرد اور وسیع ملّی تشخص کو طاق نسیاں کی نذر کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس پر اقبال کا مضطرب ہونا لازمی تھا۔ درحقیقت:

> ''مسلمانوں کے ملّی تشخص میں حائل ہونے والے مغربی قومیت کے تصورات کی مسلسل حوصلہ شکنی ہی مسلمانوں کو ایک واحد ملّت کے تصورات کی طرف لے جا سکتی تھی۔ اقبال مغربی تصور قومیت کے اسی لیے مخالف تھے۔ ان کی فکری جہد و جہد کی تاریخ میں وطنیت کے تصورات کی شدید مخالفت جہاں دینی اور ملکی لحاظ سے اہم تھی وہاں عالم اسلام کے وسیع تر ملّی تشخص کے لیے بھی بے حد ضروری تھی۔ کیوں کہ اس کے بغیر ملّت واحد کا تصور ہی محال تھا... اقبال وطن کے نفسیاتی پہلو کو نظر انداز نہیں کرتے وہ اسے نفسیاتی سطح پر قبول کرتے ہیں اور صرف ہیئت اجتماعیہ اسلامیہ کے اصل اصول کے طور پر برسرِ عمل آنے کی مخالفت کرتے ہیں''۔[۴]

بلاشبہ ان کے ابتدائی کلام میں حبِّ وطن کے حامل اشعار ضرور موجود ہیں مثلاً ''ترانۂ ہندی'' میں کہتے ہیں:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا　　ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا [۵]

ایک اور نظم ''تصویرِ درد'' میں ان کا خیال ہے:

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے　　تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں [۶]

اور ''نیا شوالہ'' میں تو یہاں تک کہہ گئے:

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے　　خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرّہ دیوتا ہے ۷

تاہم جلد ہی ان کا دائرۂ فکر وسیع تر ہو گیا اور وہ تنگنائے وطنیت سے باہر نکل کر عالم گیر ملّت اسلامیہ کے بحرِ بے کنار میں غوطہ زن ہو گئے اور زمینی حقائق ناموافق ہوتے ہوئے بھی انھوں نے اپنے فکر اور فلسفے کا سارا زور نظریۂ ملّت اسلامیہ کی توضیح و تشریح اور اس کی نشر و اشاعت پر لگا دیا۔ اگرچہ ملّت کا تصور برعظیم کے مسلمانوں اور مسلمان شعرا کے ہاں ہمیشہ سے موجود تھا لیکن جتنی توانائی اور فلسفیانہ استدلال کے ساتھ اقبال نے اسے پیش کیا وہ اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ وہی اقبال جو ''ترانۂ ہندی'' میں:

ع سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ۸

کے ترانے گاتا تھا، اب ''ترانۂ ملّی'' میں اسی لے میں:

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا　　مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا ۹

کے گیت گاتا نظر آتا ہے۔ اپنی نظم ''وطنیت (یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصور کے)'' میں اقبال نے پوری وضاحت سے اپنے نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے:

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور　　ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور　　تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے　　غارت گر کاشانۂ دین نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے　　اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفویؐ ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفویؐ خاک میں اس بت کو ملا دے

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی　　رہ بحر میں آزادِ وطن صورت ماہی
ہے ترکِ وطن سنّت محبوب الٰہیؐ　　دے تو بھی نبوّت کی صداقت پہ گواہی
گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوتؐ میں وطن اور ہی کچھ ہے

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے　　تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے

خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے　　کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے
قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے[10]

اس طویل اقتباس میں اقبال کا پورا فلسفۂ وطنیت آ گیا ہے۔

کبھی جغرافیائی حد بندی کی نفی کرتے ہوئے ''جواب شکوہ'' میں خدا کی زبانی مسلمانوں کو اس طرح تلقین کی گئی ہے:

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے　　نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے[11]

تو کبھی جدید نظریۂ قومیت کو مسترد کرتے ہوئے ''قوم رسول ہاشمیؐ'' کی ہیئت ترکیبی کی تشریح نظم ''مذہب'' میں یوں کرتے ہیں:

اپنی ملّت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر　　خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیّت کا ہے ملک و نسب پر انحصار　　قوّت مذہب سے مستحکم ہے جمعیّت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیّت کہاں　　اور جمعیّت ہوئی رخصت تو ملّت بھی گئی[12]

''خضر راہ'' میں امّت مسلمہ کی فلاح کا راستہ بیان کرتے ہوئے ان کا کہنا ہے:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے　　نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خوں مٹ جائے گا　　ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی　　اڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاک رہگزر[13]

جدید نظریۂ وطنیت کی تباہ کاریوں کے مناظر دیکھنے کے بعد اقبال کے ذہن میں اس نظریے کے لیے کوئی کشش باقی نہیں رہ گئی تھی بلکہ ردعمل میں انھوں نے اس نظریے کی بیخ کنی کو اپنا مطمح نظر بنالیا۔ وہ بجا طور سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کے لیے عالم گیر ملّت اسلامیہ کو چھوڑ کر علاقائی، نسلی یا لسانی بنیادوں پر قومیت اختیار کر لینا کتنا مہلک ہوسکتا ہے۔ اسی لیے انھوں نے جگہ جگہ برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کو خبردار کیا ہے اور اس نظریے کے تباہ کن اثرات سے بچنے کی ہدایت کی ہے۔ ''طلوع اسلام'' میں کہتے ہیں:

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملّت میں گم ہو جا　　نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی[14]

آگے چل کر فرماتے ہیں:

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی　　تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بے کراں ہو جا[15]

اپنے اس پیغام کو وہ نظموں کے علاوہ غزلوں میں بھی پوری توانائی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ مثلاً:

درویش خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی　　گھر میرا نہ دلّی، نہ صفاہاں نہ سمرقند ۱۶

اقبال حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے بھی اسی لیے مدّاح ہیں کہ انھوں نے بروقت سرمایۂ ملّت کی نگہبانی کی ''پنجاب کے پیرزادوں سے'' میں حضرت مجدّدؒ کی شان میں فرماتے ہیں:

وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہباں　　اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار ۱۷

''مکّہ اور جنیوا'' میں حکمت افرنگ کا پردہ فاش کرتے ہوئے ان کا کہنا ہے:

تفریق ملل حکمتِ افرنگ کا مقصود　　اسلام کا مقصود فقط ملّت آدم
مکّے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام　　جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم ۱۸

اقبال کے نزدیک مسلمان اصل میں ہمسایۂ جبریل امیںؑ ہے جس کا کوئی مخصوص ٹھکانہ نہیں ہے اس خیال کو انھوں نے نظم ''مردِ مسلمان'' میں پیش کیا ہے:

ہمسایۂ جبریل امیںؑ بندۂ خاکی　　ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں ۱۹

اقبال اپنے تصورِ ملّت کے بارے میں اتنے حساس ہیں کہ جہاں کہیں بھی انھیں اپنے تصورِ ملّت پر ضرب پڑتی نظر آتی ہے۔ وہ فوراً اس کی گرفت کرتے ہیں۔ اسی باعث ''امرائے عرب سے'' میں ان کا لہجہ طنزیہ ہو گیا ہے:

کرے یہ کافر ہندی بھی جرأت گفتار　　اگر نہ ہو امرائے عرب کی بے ادبی
یہ نکتہ پہلے سکھایا گیا کس امّت کو　　وصال مصطفویؐ، افتراق بولہبی
نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا　　محمد عربیؐ سے ہے عالم عربی ۲۰

عرب قومیت کے بڑھتے ہوئے اثرات اور اہل عرب کا بڑی تعداد میں اس سے متاثر ہونے کا اقبال کو حد درجہ قلق تھا۔ وہ اس کو ''فرنگی تخیّلات'' کا شاخسانہ اور ابلیسی تعلیمات کا اثر سمجھتے تھے۔ ''ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام'' میں ابلیس کی زبانی کہتے ہیں:

فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیّلات　　اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو ۲۱

مندرجہ بالا امثال کی روشنی میں یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اجتماع مسلمین کے ملّی تصور کو اقبال نے اپنے کلام کا مرکزی نکتہ بنائے رکھا اور ہر اس نظریے کی پرزور مخالفت کی جس کی ذرا سی بھی زد ''ملّت اسلامیہ'' پر پڑتی دکھائی دی۔ خصوصاً جدید نظریہ قومیت کا ردّ و ابطال انھوں نے جس شدّ و مد سے کیا ہے اس کی مثال کم سے کم طبقۂ شعراء میں ملنی محال ہے۔

(ب) ذکر ملّت، بحوالہ صاحب ملّت علیہ الصّلوٰۃ والسّلام:

اقبال کے فکر و فلسفے کا محور ملّت اسلامیہ ہے اور ملّت اسلامیہ کا مرکز و محور صاحب ملّت علیہ الصّلوٰۃ و

السّلام کی ذات گرامی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متعدد مقامات پر اقبال نے ملّت کو محور ملّت ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے جانا بھی ہے اور برعظیم پاک و ہند کی ملّت اسلامیہ کو باور بھی کرایا ہے۔ ان کے خیال میں ملّت کا تصور آں حضرت ﷺ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہ آپ ﷺ ہی کی ذات بابرکات ہے جس نے منتشر اقوام کو ایک ملّت کی لڑی میں پرو دیا ہے۔ انھیں اپنا وطن اس لیے بھی عزیز ہے کہ 'میر عرب ﷺ' کو یہاں سے ٹھنڈی ہوا آئی تھی۔ ''ہندوستانی بچوں کا قومی گیت'' کا شعر ہے:

میر عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے ۔۔۔ میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے ۲۲

واضح رہے یہ ان کے ابتدائی دور کا کلام ہے۔ بعد میں جب انھوں نے وطن کے سیاسی تصور کو رد کر دیا اور ایک وسیع تر عالم گیر امّت مسلمہ کے تصور کو اپنا لیا۔ اس وقت بھی انھیں فکری اور نفسیاتی توانائی دربار رسالت ﷺ سے ہی حاصل ہوئی۔ یہ بات تو وہ غزل میں بھی برملا کہتے ہیں:

نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمارؐ نے بنایا ۔۔۔ بنا ہمارے حصار ملّت کی اتحاد وطن نہیں ہے ۲۳

اور ''ترانۂ ملّی'' میں میر حجاز ﷺ کے حوالۂ مبارک سے فرماتے ہیں:

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا ۔۔۔ مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا
سالارِ کارواں ہے میرِ حجازؐ اپنا ۔۔۔ اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا ۲۴

اور ''وطنیت (یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصور کے)'' میں مسلمان کی وطنیت کی واضح حد بندی کرتے ہوئے اسے مصطفوی قرار دیا ہے:

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے ۔۔۔ غارت گر کاشانۂ دین نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے ۔۔۔ اسلام ترا دیس ہے تو مصطفویؐ ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفویؐ خاک میں اس بت کو ملا دے
ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی ۔۔۔ رہ بحر میں آزادِ وطن صورت ماہی
ہے ترکِ وطن سنّت محبوب الٰہیؐ ۔۔۔ دے تو بھی نبوّت کی صداقت پہ گواہی
گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوّت میں وطن اور ہی کچھ ہے ۲۵

اقبال کو جہاں کہیں بھی ''بنائے ملّت'' کے مٹنے کا خدشہ درپیش ہوتا ہے وہ فوراً فریاد لے کر بارگاہِ رسالت ﷺ میں پہنچ جاتے ہیں۔ ''قطعہ'' میں ان کی فریاد کا رنگ یہ ہے:

کل ایک شوریدہ خواب گاہِ نبیؐ پر رو رو کے کہہ رہا تھا
کہ مصر و ہندوستاں کے مسلم بنائے ملّت مٹا رہے ہیں
یہ زائرین حریم مغرب ہزار رہبر بنیں ہمارے
ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا جو تجھؐ سے نا آشنا رہے ہیں ۲۶

وہ خدا سے ''شکوہ'' بھی امّت احمد مرسل ﷺ کے حوالے سے کرتے ہیں:

عشق کا دل بھی وہی حسن کا جادو بھی وہی　　امّت احمد مرسلؐ بھی وہی تو بھی وہی ۲۷

لیکن ''جواب شکوہ'' میں خدا کی زبانی زیادہ وضاحت سے اور زور دے کر امّت مسلمہ کو ہدایات دی گئی ہیں کہ:

کسی یکجائی سے اب عہد غلامی کر لو　　ملّت احمد مرسلؐ کو مقامی کر لو
منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک　　ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک
اس نئی آگ کا اقوام کہن ایندھن ہے　　ملّت ختم رسلؐ شعلہ بہ پیراہن ہے ۲۸

تصور ملّت کو اقبال نے نظم ''مذہب'' میں بھی اچھی طرح واضح کیا ہے اور ''قوم رسول ہاشمیؐ'' کی ترکیب کے ذریعے دراصل انھوں نے ملّت اسلامیہ کے خدوخال اور اس کی ہیئت ترکیبی کی تشریح بخوبی کر دی ہے:

اپنی ملّت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر　　خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ
ان کی جمعیّت کا ہے ملک و نسب پہ انحصار　　قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیّت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیّت کہاں　　اور جمعیّت ہوئی رخصت تو ملّت بھی گئی ۲۹

منظومات کے علاوہ غزلیات میں بھی کہیں کہیں اقبال کا ملّت اسلامیہ کے لیے سوزِ دروں جھلکتا ہے اور وہ بادِ صبا کے ذریعے کملی والےؐ کی خدمت اقدس میں امّت کی فریاد پہنچاتے ہوئے نظر آتے ہیں:

اے بادِ صبا کملی والےؐ سے جا کہیو پیغام مرا　　قبضے سے امّت بے چاری کے دیں بھی گیا دنیا بھی گئی ۳۰

اپنی نظم ''اے روح محمد ﷺ'' میں مسلم قوم کی درماندگی دیکھ کر بارگاہِ سرور عالم ﷺ میں استغاثہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

شیرازہ ہوا ملّت مرحوم کا ابتر　　اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روح محمدؐ　　آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے ۳۱

''امرائے عرب سے'' میں عرب قومیت کے پھندے میں گرفتار عرب زعماء کو یاد دہانی کراتے ہوئے کہتے ہیں کہ عالم عرب صرف محمد عربی ﷺ کا مرہونِ منّت ہے:

یہ نقطہ پہلے سکھایا گیا کس امت کو　　وصال مصطفویؐ، افتراق بولہبی
نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا　　محمد عربیؐ سے ہے عالم عربی ۳۲

اقبال کے نزدیک ملّت کی اساس پیغمبرﷺ اور شرع پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہے اور ابلیس تک اس حقیقت سے آشنا ہے "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں وہ اپنے مشیروں کو ہدایت کرتا ہے:

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف　　ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبرؐ کہیں
الحذر آئین پیغمبرؐ سے سو بار الحذر　　حافظ ناموس زن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لیے　　نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیر رہ نشیں ۳۳

حقیقت تو یہ ہے کہ ملّت کا تصور سراسر ہادیٔ برحقﷺ کی دین ہے۔ مغربی تصور قومیت کی بنیاد چونکہ رنگ، نسل، علاقہ، زبان، ثقافت وغیرہ پر ہے اس لیے ملّت اسلامیہ کا تصور جس روحانی اساس پر قائم ہے، وہ اہل مغرب کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں کہ محض ایک شخصیت کس طرح قوم کی تشکیل کر سکتی ہے۔ لیکن مسلمانان عالم کے لیے پیغمبر کی ذات محض ایک شخصیت نہیں ہے اور اس کے احکامات محض دینی معاملات تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ دنیا کے سیاسی، عمرانی، معاشی اور ثقافتی معاملات کا سرچشمہ بھی سرورِ کائناتﷺ ہی کی ذات گرامی ہے۔ گویا اقبال ہی کے الفاظ میں:

بمصطفیؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است ۳۴

(ج)　کلام اقبال میں نعتیہ عناصر:

اقبال نعت گو شاعر ہیں، اقبال نعت گو شاعر نہیں ہیں۔ دونوں آراء میں صداقت کا عنصر موجود ہے۔ زیر نظر مطالعہ چونکہ صرف اردو شاعری تک محدود ہے اس لیے اس بات میں بہر حال وزن ہے کہ اردو کلام اقبال میں معروف معنوں میں نعتیں نہیں ملتیں اور یہ کہ "ان کے کلام میں نعت بالواسطہ طور پر آتی ہے" ۳۵ اور ایک رائے یہ بھی ہے کہ "رسمی اور اصطلاحی معنوں میں ان کے اردو کلام میں نعت موجود نہیں ہے" ۳۶ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ اقبال اسلام اور امّت مسلمہ کو ہمیشہ سرورِ کونینﷺ کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔ وہ جب بھی:

> "امت کی زبوں حالی کی بات کرتے ہیں تو ان کا بنیادی حوالہ رسول خداﷺ کی ذات گرامی اور ان کا فلسفۂ حیات رہتا ہے اور یہی وہ پہلو ہے جو اقبال کی شاعری کو دوسرے نعت گویوں کی شاعری سے الگ کر دیتا ہے۔ مدحت رسولؐ ان کے ہاں صرف عقیدت مندی کا اظہار نہیں بلکہ ساری زندگی اور کائنات کا حوالہ بن کر سامنے آتی ہے" ۳۷

گویا ''اقبال ہر شے کو حضورؐ کے حوالے سے اور حضورؐ کو ہر شے کے حوالے سے دیکھتے ہیں'' ۳۸ نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک کرتے وقت ''ان کا شعری وجدان جوش مارنے لگتا ہے اور نعتیہ اشعار ابلنے لگتے ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے محبت اور عقیدت کے چشمے پھوٹ پڑے ہوں'' ۳۹ اصل میں اقبال دوسرے نعت گویوں کی طرح مدح رسول ﷺ پر اتنا زور نہیں دیتے بلکہ ''رسولؐ کی فکر کو، ان کی روح کو اپنی شاعری میں اس طرح سمو دیتے ہیں کہ اس سے اسلام کی حقیقی روح، امّت مسلمہ کو بیدار کرنے کا جذبہ اور قوت عمل کو ابھار کر اسلام پر چلنے کا راستہ سامنے آتا ہے'' ۴۰ یہی وجہ ہے کہ ''اقبال کی شاعری میں مدحت رسولؐ، روح محمد ﷺ بن کر ان کی ساری فکر اور ان کے سارے کلام میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ وہ الگ سے نعت گوئی کی طرح وجود نہیں رکھتی'' ۴۱ تاہم صرف نعت کے حوالے سے بھی ان کی شاعری میں چند اشعار ایسے ہیں جو دیوانوں پر بھاری ہیں۔ اور کیسا ہی کڑا نعتیہ انتخاب کیا جائے، اقبال کے اشعار سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ بعض عنوانات کے تحت چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

ذوقِ شوق:

عشق رسول ﷺ فکر اقبال کا محور و مرکز ہے۔ اور اسی عشق کا فیضان تھا کہ ''جلوۂ دانش فرنگ'' ان کو خیرہ نہ کرسکا اور عشق کی سرمستی نے غزلوں میں بھی ان سے ایسے ایسے اشعار کہلوائے:

وہ دانائے سبلؐ، ختم الرسلؐ، مولائے کلؐ جس نے — غبار راہ کو بخشا فروغ وادیِ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر — وہی قرآں وہی فرقاں وہی یاسیں وہی طٰہٰ ۴۲

اور ان کی نظم ''ذوق وشوق'' کے مندرجہ ذیل اشعار جو کئی نعتیہ مجموعوں پر بھی بھاری ہیں:

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب — گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ — ذرّۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود — فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام — میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پاگئے — عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب ۴۳

خدا سے ''شکوہ'' میں بھی وہ رسول عربی ﷺ کے حوالۂ مبارک کو ناگزیر سمجھتے ہیں اور گلہ کرتے ہیں:

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربیؐ کو چھوڑا؟ — بت گری پیشہ کیا بت شکنی کو چھوڑا؟ ۴۴

اقبال کے نزدیک ایک مسلمان کے لیے وجہِ افتخار ہندوستانی، ایرانی، ترکی، عربی ہونا نہیں صرف اور صرف مصطفویؐ ہونا ہے۔ ''وطنیت'' میں اس بات کو انھوں نے تاکیداً کہا ہے:

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے　　اسلام ترا دیس ہے تو مصطفویؐ ہے ۴۵

عظمتِ نبی ﷺ:

اقبال کے دل و دماغ میں عظمتِ مصطفوی ﷺ کا تصور انتہائی گہرائی تک راسخ تھا۔ ''شکوہ'' میں خدا کے حضور گستاخی کی حد تک بے باک اقبال بارگاہِ رسالت ﷺ میں سانس روک کر داخل ہوتا ہے، جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ اقبال کے ہاں سرورِ کائنات ﷺ کی ذاتِ گرامی ساری زندگی اور کائنات کا حوالہ بن کر سامنے آتی ہے۔ وہ ہر شے کو اسی حوالے سے دیکھتے بھی ہیں اور دکھاتے بھی۔ ان کے نزدیک ذاتِ محبوب ربّ العالمین ﷺ کے بغیر تمام ''بولہبی'' ہے۔ انھوں نے ''جوابِ شکوہ'' میں خدا کی زبانی متعدد مقامات پر شانِ رسالت ﷺ اجاگر کی ہے۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنّم بھی نہ ہو　　چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسّم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو　　بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دشت میں دامن کہسار میں میدان میں ہے　　بحر میں، موج کی آغوش میں طوفان میں ہے
چین کے شہر مراکش کے بیابان میں ہے　　اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے

مردم چشمِ زمیں، یعنی وہ کالی دنیا　　وہ تمھارے شہداء پالنے والی دنیا
گرمیِ مہر کی پروردہ ہلالی دنیا　　عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا

تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح ۴۶

کہیں فہمائشی انداز اختیار کیا گیا ہے:

منفعت ایک ہے، اس قوم کی نقصان بھی ایک　　ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک　　کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک؟ ۴۷

اور

کون ہے تارک آئینِ رسولِ مختارؐ　　مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں　　کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمھیں پاس نہیں ۴۸

کہیں اسم محمدؐ سے اجالا کرنے کی تلقین کی گئی ہے:

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے　　دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے ۴۹

اور ''جواب شکوہ'' کا آخری شعر جس کے بارے میں ڈاکٹر ممتاز حسن نے بالکل درست لکھا ہے کہ ''جواب شکوہ کیا ہے سارا جواب تو اصل میں ایک ہی شعر میں دیا گیا ہے۔ وہ اس نظم کا آخری شعر ہے'' ۵۰ اس بے مثال شعر میں نہ صرف مقام مصطفیٰ ﷺ کا بہترین پیرائے میں اظہار ہے بلکہ غور کیا جائے تو پورا فلسفۂ اسلام اس ایک شعر میں سما گیا ہے:

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں ۵۱

محمد ﷺ سے وفا کا یہ تصور صدیق اکبرؓ کے دل و دماغ پر جس طرح چھایا ہوا تھا اسے اقبال نے اپنی نظم ''صدیقؓ'' میں انھی کی زبانی اس طرح بیان کیا ہے:

اے تجھؐ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر　　اے تیریؐ ذات باعثِ تکوین روزگار

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس　　صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس ۵۲

اقبال کو اس بات کا بے حد قلق ہے کہ مسلمان کو شعارِ صاحبِ یثرب ﷺ کا پاس نہیں رہا۔ ''تضمین بر شعر ابوطالب کلیم'' میں طنزیہ لہجے میں کہتے ہیں:

خوب ہے تجھ کو شعار صاحبِ یثربؐ کا پاس　　کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تو مسلم نہیں ۵۳

خودی کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے سرور عالم ﷺ کا حوالۂ مبارک رباعی کے شعر میں اس طرح دیا گیا ہے:

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی　　خودی کی خلوتوں میں کبریائی ۵۴

عشق اقبال کا محبوب موضوع ہے۔ ان کے کلام میں عقل و عشق کے ٹکراؤ اور اس ٹکراؤ میں عشق کی کامیابی کا مضمون کئی مقامات پر ملتا ہے۔ عشق کی قدر و قیمت اقبال کے نزدیک اتنی ہے کہ وہ اسے دلِ مصطفیٰ ﷺ اور خدا کے رسول ﷺ کے مترادف گردانتے ہیں۔ اس خیال کا ظہار انھوں نے اپنی مشہور زمانہ نظم ''مسجد قرطبہ'' میں کیا ہے:

عشق دم جبریل، عشق دل مصطفیٰؐ　　عشق خدا کا رسولؐ، عشق خدا کا کلام ۵۵

عرب قومیت کے سحر میں گرفتار زعمائے عرب کو عالم عرب کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے نظم ''امرائے عرب سے'' میں واشگاف الفاظ میں کہتے ہیں:

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا　　محمد عربیؐ سے ہے عالم عربی ۵۶

بلاشبہ عرب اور عالم عرب کی اہمیت سراسر صاحبِ عرب وعجم ﷺ کے بابرکت قدموں کی بدولت ہے ورنہ بقول حالی:

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ وہ کیا تھا　　جہاں سے الگ اک جزیرہ نما تھا ۵۷

تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ عالم عرب ابھی تک ''عرب قومیت'' کے پھندے سے باہر نہیں آسکا ہے۔

عظمتِ اصحاب نبیؐ بحوالۂ سیّدالانبیاء ﷺ:

نبیؐ سے محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ عشاق نبی ﷺ کی توقیر کی جائے۔ اقبال اس امر سے بخوبی واقف ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں صحابہ کرامؓ کی شان میں اشعار بھی ملتے ہیں۔ بیش تر مقامات پر اقبال نے غلامان نبی کو نبی ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے دیکھا ہے اور باعث تکریم جانا ہے۔ ''بلالؓ'' کے عنوان سے اقبال کی دو نظمیں ہیں۔ پہلی نظم میں اس عاشق رسول ﷺ کی شان میں فرماتے ہیں:

وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لیے ،　　کسیؐ کے شوق میں تُو نے مزے ستم کے لیے

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری　　کسیؐ کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی　　نماز اسؐ کے نظارے کا اک بہانہ بنی

خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اسؐ کا　　خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اسؐ کا ۵۸

اور اسی عنوان کی دوسری نظم میں بلالؓ کی شہرت دوام کا سبب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے　　رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے ۵۹

''جنگ یرموک کا ایک واقعہ'' میں ایک عاشق رسول ﷺ کی حضرت ابوعبیدہؓ سے گفتگو دکھائی گئی ہے۔ جو فراقِ رسول ﷺ میں بے تاب ہے، مزید صبر کا یارا نہیں ہے اور حضورِ رسالت پناہ ﷺ میں جانے کا آرزومند ہے:

بے تاب ہو رہا ہوں فراقِ رسولؐ میں　　اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام

جاتا ہوں میں حضورِ رسالت پناہؐ میں　　لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام ۶۰

سپہ سالار حضرت ابوعبیدہؓ بادیدۂ نم جواب دیتے ہیں:

پوری کرے خدائے محمدؐ تری مراد　　کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام

پہنچے جو بارگاہِ رسول امیںؐ، میں تو　　کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام

ہم پر کرم کیا ہے خدائے غیور نے　　پورے ہوئے جو وعدے کیے تھے حضورؐ نے ۶۱

صدیق اکبرؓ کی عظمت کا باعث ان کا رفیقِ نبوّت ہونا تھا۔اس خیال کا اظہار اقبال نے ''صدیقؓ '' میں اس طرح کیا ہے:

اتنے میں وہ رفیقِ نبوّت بھی آگیا جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار ۶۲

توصیف دیار و امصار بتوسط سیّد الابرار ﷺ :

اصحابِ رسول ﷺ کے علاوہ مختلف دیار و امصار کو بھی اقبال نے اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ خصوصاً وہ شہر جو کبھی اسلام کی عظمت کی زندہ علامت کے طور پر موجود تھے یا ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ بیشتر مقامات پر اقبال نے ان شہروں کی تعریف و تحسین بحوالۂ سیّد الکونین ﷺ کی ہے۔ اپنے وطن ہندوستان کی تعریف اس بنا پر بھی کی ہے کہ یہاں سے میر عرب ﷺ کو ٹھنڈی ہوا آئی تھی۔ ''ہندوستانی بچوں کا قومی گیت'' سے وہ بند پیش خدمت ہے:

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے میر عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے ۶۳

اقبال کی ایک نظم ''بلادِ اسلامیہ'' ہے۔ عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ اس میں مختلف شہروں کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔ بغداد کے لیے اقبال کے احساسات اس شعر سے ظاہر ہیں:

خاک اس بستی کی ہو کیوں کر نہ ہمدوش ارم جس نے دیکھے جانشینانِ پیمبرؐ کے قدم ۶۴

قسطنطنیہ کے لیے اقبال کے جذبات کچھ اس قسم کے ہیں:

صورت خاکِ حرم یہ سرزمیں بھی پاک ہے آستانِ مسند آرائے شہِ لولاکؐ ہے ۶۵

اسی نظم میں جب مدینے کا ذکر آتا ہے تو اقبال کا قلم نظم کے اختتام سے پہلے رکتا ہی نہیں ہے:

وہ زمیں ہے تُو مگر اے خواب گاہِ مصطفیؐ دید ہے کعبے کو تیری حجِ اکبر سے سوا
تجھ میں راحت اُس شہنشاہ معظمؐ کو ملی جس کے دامن میں اماں اقوام عالم کو ملی
نام لیوا جس کے شاہنشاہ، عالم کے ہوئے جانشیں قیصر کے، وارث مسند جم کے ہوئے
آہ یثرب دیس ہے مسلم کا تُو ماوا ہے تُو نقطۂ جاذب تاثّر کی شعاعوں کا ہے تُو ۶۶

متفرقات:

پچھلے صفحات میں اس بات کا تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ اقبال کے ہاں نعت براہ راست نہیں بالواسطہ طور پر آئی ہے۔ اکثر مقامات پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چلتے چلتے اقبال کا قلم اچانک وادیٔ نعت میں جا داخل ہوتا

ہے اور ایسا لگتا ہے کہ رہوارِ قلم بے اختیار ہو کر سرزمینِ بطحا کی حدود میں پہنچ گیا ہے، یہاں تک کہ غزل کے اشعار میں بھی ''غبارِ رہِ حجاز'' ہونے کی تمنا ملتی ہے:

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستاں سے اے اقبال اُڑا کے مجھ کو غبارِ رہِ حجاز کرے ۶۷

کبھی امّت کی بے چارگی کی روداد بادِ صبا کے ہاتھوں دربارِ رسالت ﷺ میں پہنچاتے ہیں:

اے بادِ صبا کملی والےؐ سے جا کہیو پیغام مرا
قبضے سے امّت بے چاری کے دیں بھی گیا، دنیا بھی گئی ۶۸

تو کبھی چارہ سازی کے لیے مولائے یثرب ﷺ سے مدد کے طلب گار ہوتے ہیں:

تُو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر مری دانش ہے افرنگی، مرا ایماں ہے زناری ۶۹

ایک نظم ''میں اور تو'' میں اقبال شہِ عرب و عجم ﷺ کے کرم کے طالب دکھائی دیتے ہیں:

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنھیں دماغِ سکندری ۷۰

اور جب ان کی بے چینی کم نہیں ہوتی تو بے اختیار آقائے دو عالم ﷺ کو مخاطب کرتے ہیں۔

''حضور رسالت مآبؐ میں'' اپنے اضطراب کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے:

حضورؐ! دہر میں آسودگی نہیں ملتی تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی ۷۱

''فردوس میں ایک مکالمہ'' میں اقبال نے فردوس میں سعدی اور حالی کا ایک تصوراتی مکالمہ نظم کیا ہے۔ جس میں حالی مسلمانانِ ہند کی حالت زار بیان کرتے ہوئے شیخ سعدی سے درخواست گزار ہوتے ہیں:

پانی نہ ملا زمزمِ ملّت سے جو اس کو پیدا ہے نئی پود میں الحاد کے انداز
یہ ذکر حضورِ شہِ یثربؐ میں نہ کرنا سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غمّاز ۷۲

اقبال کو ناموسِ دینِ مصطفیٰ ﷺ دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہے۔ اپنی نظم ''خضرِ راہ'' میں عرب ترک افسوس ناک آویزش پر کراہ کر کہتے ہیں:

بیچتا ہے ہاشمی ناموسِ دینِ مصطفیٰؐ خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش ۷۳

مردِ مومن کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اسے شاہینِ شہِ لولاکؐ کے قابل فخر خطاب سے نوازتے ہیں:

ترا جوہر ہے نوری پاک ہے تو فروغِ دیدۂ افلاک ہے تو
ترے صیدِ زبوں افرشتہ و حور کہ شاہینِ شہِ لولاکؐ ہے تو ۷۴

نظم ''مسجد قرطبہ'' میں اپنی بے بضاعتی کے باوجود اقبال اس بات کا اقرار کرتے ہیں:

کافرِ ہندی ہوں میں، دیکھ مرا ذوق و شوق دل میں صلوٰۃ و درود، لب پہ صلوٰۃ و درود ۷۵

اقبال اپنی غزل کے ایک شعر میں جلوۂ دانش فرنگ سے مرعوب نہ ہونے کا سبب بجا طور پر وہ یوں بیان کرتے ہیں:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ　　سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف ۶ے

اور غزل ہی کے ایک اور شعر میں مغربیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے بچنے کے لیے صاحبِ قاب قوسین ﷺ کی نگہ بانی کی خواہش کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

فروغ مغربیاں خیرہ کر رہا ہے تجھے　　تری نظر کا نگہباں ہو صاحبِ مازاغ ۷ے

اقبال تو حق و باطل کی ازلی کش مکش کو بھی چراغِ مصطفوی ﷺ اور شرار بولہبی کی کش مکش کہتے ہیں۔ اس خیال کو انھوں نے اپنی نظم ''ارتقا'' میں پیش کیا ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز　　چراغِ مصطفویؐ سے شرار بولہبی ۸ے

مسلمان کے بدن میں لہو کی طرح گردش کرنے والی روح محمد یہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم، ایک مسلمان کا سب سے بڑا اثاثہ ہے۔ اس حقیقت سے شیطان بھی آشنا ہے۔ اسی لیے وہ ''ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام'' میں اپنے سیاسی فرزندوں کو یہ نصیحت کرتا ہے:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا　　روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو ۹ے

نتائج:

کلام اقبال کے مطالعے کے دوران ایک چیز کا بار بار احساس ہوتا ہے کہ اقبال کے کلام میں براہ راست نعتیہ عناصر بہت کم دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن بالواسطہ نعتیہ عناصر ان کے کلام میں اس طرح آمیز ہو کر آئے ہیں کہ ایک نعتیہ لہر ان کے پورے کلام میں جاری و ساری نظر آتی ہے۔ گویا اقبال کے ہاں نعت بین السطور ملتی ہے۔ اسی لیے ان کے کئی اشعار ایسے ہیں جن میں کوئی لفظ یا ترکیب کوئی تشبیہ یا استعارہ ایسا نہیں ہوتا جس کے باعث ان اشعار کو نعت کے زمرے میں لایا جا سکے۔ لیکن شعر کی مجموعی فضا ایسی ہوتی ہے جو واضح طور پر نعتیہ تاثر کی حامل ہوتی ہے۔ مثال میں ان کی نظم ''بلالؓ'' کا یہ شعر پیش خدمت ہے:

اقبال کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے　　رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے ۱۰ے

شعر میں اگرچہ سرور کونین ﷺ کا نام نامی نہیں لیا گیا لیکن مصرع اولیٰ میں ''کس کے'' کا مشارٌ الیہ سلطان مدینہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ملّی شاعری اور نعت کا حسین امتزاج نہ اقبال سے پہلے دیکھنے میں آیا اور نہ اقبال کے بعد کوئی ایسا شاعر سامنے آیا جس کے ہاں ملّت اسلامیہ کا درد اور ذکرِ رسول ﷺ اس طرح گھل مل

جائیں کہ ایک کے بغیر دوسرے عنصر کا تصور بھی محال ہو۔ بات دراصل وہی ہے کہ اقبال جہاں مقام مصطفوی ﷺ سے کماحقہ آگاہ تھے وہیں تصور ملّت بھی اپنی پوری جزئیات کے ساتھ ان کے دل و دماغ میں جاگزیں تھا۔ وہ بجا طور پر سمجھتے تھے کہ ملّت کا تصور سراسر رحمت عالم ﷺ کی عطا ہے۔ اس لیے روحِ محمدی ﷺ ان کی پوری ملّی شاعری کے رگ و پے میں جلوہ فگن ہے۔ اور یہی وہ بنیادی وجہ ہے جس کے باعث اقبال کو نعت گو شعراء کے زمرے سے کسی طور الگ نہیں کیا جا سکتا۔

حواشی:

۱ ڈاکٹر انور سدید: ''اردو ادب کی تحریکیں''، ص ۴۰۴۔
۲ ''تجربے اور روایت''، ص ۱۶۵
۳ ''نقوش اقبال''، ص ۲۷۲
۴ ڈاکٹر وحید قریشی: مسند خلافت یا مجلس قانون ساز، مشمولہ: ''اقبال شناسی کے زاویے''، ص ۴۴
۵ کلّیات اقبال، ص ۱۰۹؛ واضح رہے کہ اقبال کے اشعار تمام تر اقبال اکادمی کی مرتبہ کلّیات اقبال سے لیے گئے ہیں۔ جس کے صفحات میں اوپر کلیات کا مجموعی صفحہ نمبر اور اسی کے عین نیچے خط کھینچ کر کسی مخصوص مجموعے مثلاً: بانگ درا، بال جبریل وغیرہ کا صفحہ نمبر درج کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں سہولت کی غرض سے صرف کلیات کا مجموعی صفحہ نمبر درج کیا گیا ہے۔
۶ کلّیات اقبال، ص ۹۸
۷ ایضاً، ص ۱۱۴
۸ ایضاً
۹ ایضاً، ص ۱۸۶
۱۰ ایضاً، ص ۱۸۷
۱۱ ایضاً، ص ۲۲۷۔۲۳۷
۱۲ ایضاً، ص ۲۷۷
۱۳ ایضاً، ص ۲۸۳۔۲۹۶
۱۴ ایضاً، ص ۲۹۷
۱۵ ایضاً

۱۶۔ ایضاً،ص ۳۵۷۔۳۵۸
۱۷۔ ایضاً،ص ۴۸۸
۱۸۔ ایضاً،ص ۵۷۰
۱۹۔ ایضاً،ص ۵۷۳
۲۰۔ کلّیات اقبال،ص ۵۷۷
۲۱۔ ایضاً،ص ۶۵۶
۲۲۔ ایضاً،ص ۱۱۳
۲۳۔ ایضاً،ص ۱۶۲
۲۴۔ ایضاً،ص ۱۸۶
۲۵۔ ایضاً،ص ۱۸۷
۲۶۔ ایضاً،ص ۱۸۹
۲۷۔ ایضاً،ص ۱۹۰۔۱۹۹
۲۸۔ ایضاً،ص ۲۲۷۔۲۳۷
۲۹۔ ایضاً،ص ۲۷۷
۳۰۔ ایضاً،ص ۳۰۹
۳۱۔ ایضاً،ص ۵۶۱
۳۲۔ ایضاً،ص ۵۷۷
۳۳۔ ایضاً،ص ۷۰۱۔۷۱۲
۳۴۔ ایضاً،ص ۷۵۴
۳۵۔ پروفیسر شفقت رضوی: ،اردو میں نعت گوئی، چند گوشے،ص ۹۵
۳۶۔ ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی: ''آئینہ اور عکس''،ص ۱۱۵
۳۷۔ ڈاکٹر جمیل جالبی: ''ادب، کلچر اور مسائل''،ص ۱۴۷
۳۸۔ ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی: محولہ بالا
۳۹۔ ابوالحسن علی ندوی: نقوش اقبال،ص ۵۶
۴۰۔ ڈاکٹر جمیل جالبی: محولہ بالا،ص ۱۴۸

۴۱ ایضاً
۴۲ کلیات اقبال، ص ۳۶۳
۴۳ ایضاً، ص ۴۳۸۔۴۴۲
۴۴ ایضاً، ص ۱۹۰۔۱۹۹
۴۵ کلیات اقبال، ص ۱۸۷
۴۶ ایضاً، ص ۲۲۷۔۲۳۷
۴۷ ایضاً
۴۸ ایضاً
۴۹ ایضاً
۵۰ مقالات ممتاز، ص ۱۰۱
۵۱ کلیات اقبال، ۲۳۷
۵۲ ایضاً، ص ۵۵۲
۵۳ ایضاً، ص ۲۴۹
۵۴ ایضاً، ص ۴۰۸
۵۵ ایضاً، ص ۴۱۹۔۴۲۸
۵۶ ایضاً، ص ۵۷۷
۵۷ کلیات نظم حالی (جلد دوم)، ص ۵۹
۵۸ کلیات اقبال، ص ۱۰۷
۵۹ ایضاً، ص ۲۷۱
۶۰ ایضاً، ص ۲۷۶۔۲۷۷
۶۱ ایضاً
۶۲ ایضاً، ص ۵۵۲
۶۳ ایضاً، ص ۱۱۳
۶۴ ایضاً، ص ۱۷۱۔۱۷۳
۶۵ ایضاً
۶۶ ایضاً
۶۷ ایضاً، ص ۱۳۱
۶۸ ایضاً، ص ۳۰۹

۶۹۔ ایضاً،ص ۳۷۱-۳۷۲

۷۰۔ کلیاتِ اقبال،ص ۲۸۰

۷۱۔ ایضاً،ص ۲۲۴-۲۲۵

۷۲۔ ایضاً،ص ۲۷۵

۷۳۔ ایضاً،ص ۲۸۵

۷۴۔ ایضاً،ص ۴۰۹

۷۵۔ ایضاً،ص ۴۲۲

۷۶۔ ایضاً،ص ۳۷۳

۷۷۔ ایضاً،ص ۵۹۸

۷۸۔ ایضاً،ص ۲۵۱

۷۹۔ ایضاً،ص ۶۵۸

۸۰۔ ایضاً،ص ۲۷۱

فہرستِ اسنادِ محولہ:

۱۔ اقبال،محمد،علامہ: ۲۰۰۷ء، ''کلیاتِ اقبال''، بارِ ہشتم،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور۔

۲۔ جالبی،جمیل،ڈاکٹر: ۱۹۸۶ء، ''ادب،کلچر اور مسائل''، رائل بک کمپنی،کراچی۔

۳۔ حالی،الطاف حسین: ۱۹۷۰ء،مرتب ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی ''کلیاتِ نظمِ حالی''، جلد دوم،باراوّل،مجلس ترقی ادب،لاہور۔

۴۔ حسن،ممتاز: ۱۹۹۵ء،مرتب شان الحق حقی، ''مقالاتِ ممتاز''، باراوّل،ادارہ یادگارِ غالب،کراچی۔

۵۔ رضوی،شفقت،پروفیسر: ۲۰۰۲ء، ''اردو میں نعت گوئی،چند گوشے''، جہان حمد پبلی کیشنز،کراچی۔

۶۔ سدید،انور،ڈاکٹر: ۱۹۹۶ء، ''اردو ادب کی تحریکیں''، بارسوم،انجمن ترقی اردو پاکستان،کراچی۔

۷۔ صدیقی،ابواللیث،ڈاکٹر: ۱۹۵۹ء، ''تجربے اور روایت''، باراوّل،اردو اکیڈمی سندھ،کراچی۔

۸۔ قریشی،وحید،ڈاکٹر: ۱۹۸۵ء،مرتب،ڈاکٹر سلیم اختر،مجلس خلافت یا قانون ساز،مشمولہ: ''اقبال شناسی کے زاویے''، باراوّل،بزمِ اقبال،لاہور۔

۹۔ کشفی،سیّد محمد ابوالخیر،ڈاکٹر: ۱۴۰۵ھ،از جمیل نقوی،آئینہ اور عکس،تبصرہ بر ''ارمغانِ جمیل''، باراوّل،الیٹ پبلشرز لمیٹڈ،کراچی۔

۱۰۔ ندوی،ابوالحسن علی: ۱۹۸۸ء،مترجم مولوی شمس تبریز خان ''نقوشِ اقبال''، بارِ چہارم،سروسز کلب،کراچی۔